ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک ☆

پاکستان میں عربی کی تدریس --- چند تجاویز

دینی، علمی، تحقیقی، تہذیبی، ثقافتی، سائنسی اور بین الاقوامی نقطہ نظر سے عربی زبان کی اہمیت اظہر من الشمس ہے لیکن خالص پاکستانی نقطہ نظر سے بھی عربی زبان خاص اہمیت کی حامل ہے۔ ہمارے عرب ممالک کے ساتھ نہایت مستحکم تعلقات ہیں اور ان تعلقات کو مزید مضبوط بنانے میں عربی بہت مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ اس وقت ہم ان کے ساتھ ایک غیر زبان یعنی انگریزی کی وساطت سے افہام و تفہیم کا سلسلہ طے کرتے ہیں۔ اگر ہم انگریزی کی جگہ اپنی زبان عربی کو استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا کر لیں تو پاک عرب تعلقات کے سلسلے میں ایک نیا دور شروع ہو سکتا ہے جس کی خصوصیات اخوت، یگانگت، تعاون اور محبت و مودت ہوں گی۔

عربی چونکہ بہت سے عرب ممالک کی سرکاری زبان ہے اس لئے سیاسی طور پر بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے یو۔ این۔ او نے اس کو اپنی منظور شدہ زبانوں کی فہرست میں شامل کر لیا ہے۔ ہماری فارن سروس کے اراکین کے لئے اس زبان کو سیکھنا لازمی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ عرب ممالک میں اپنے فرائض ٹھیک طور سے انجام نہیں دے سکتے۔ تجارتی و اقتصادی لحاظ سے بھی اس کی اہمیت مسلم ہے۔ اس وقت مزدوروں سے لے کر ہنرمند کاریگروں، انجینئروں، ڈاکٹروں اور دیگر ماہرین سمیت پاکستانیوں کی ایک کثیر تعداد عرب ممالک میں کسب معاش کی غرض سے موجود ہے۔ اگر یہ لوگ عربی زبان جانتے ہوں تو نہ صرف اپنے آجرین کے لئے زیادہ مفید ثابت ہو سکتے ہیں بلکہ اپنے ملک کے غیر رسمی سفیروں کی حیثیت سے بھی اہم خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ ان جملہ امور کی بنا پر جن کا مختصراً تذکرہ کیا گیا ہے ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ عربی زبان و ادب سے لگاؤ پیدا کرے اور اس کی تحصیل کے لئے پوری کوشش کرے۔

عربی زبان کی اس اہمیت کے پیش نظر اسے ملک میں رائج کرنے اور عوام میں مقبول بنانے کے لئے مختلف اوقات میں کئی کوششیں کی گئی ہیں۔ ملک کی تمام یونیورسٹیوں میں عربی کے شعبے قائم ہیں۔ جہاں عربی زبان و ادب کی تدریس و تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ دینی مدارس اور مساجد کے حلقہ ہائے درس بھی اس سلسلے میں قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ موجودہ حکومت نے عربی زبان کو مڈل کی سطح تک لازمی قرار دے دیا ہے اور اس کی تدریس کے لئے نئے خطوط پر مبنی کتابیں مرتب کی گئی ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے ٹیلی ویژن کے ذریعے عربی کے اسباق نشر کئے۔ مختلف شہروں میں پاکستان سنٹروں نے بھی عربی کی تدریس میں حصہ لیا۔ ٹیلی ویژن پر عربی زبان میں خبریں نشر کرنے کا بھی خصوصی انتظام کیا گیا۔ عربی رسائل و جرائد کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ پاکستانی طلبہ اور اساتذہ کی ایک کثیر تعداد کو وظائف دے کر مختلف عرب ممالک میں بھیجا گیا تاکہ وہ عربی زبان میں اعلیٰ استعداد پیدا کر سکیں اور واپس آ کر جدید تدریسی طریقوں سے طلبہ کی راہنمائی کر سکیں اور اس طرح پاکستان کے علمی و ادبی اور عوامی حلقوں کا یہ تاثر ختم ہو جائے کہ عربی زبان ایک انتہائی مشکل زبان ہے۔

اس تمام کاوش کے باوجود تاحال ملک میں عربی دانی اور عربی فہمی کے سلسلے میں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل

☆ پرو وائس چانسلر جامعہ پنجاب

نہیں ہوئی اور ایسے افراد انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جو عربی زبان لکھنے اور بولنے پر کماحقہ قادر ہیں جس کی وجہ سے بعض افراد کو یہ کہنے کا موقع ہاتھ آ جاتا ہے کہ پاکستانیوں کے لئے عربی بولنا' لکھنا اور سمجھنا سرے سے ممکن ہی نہیں ہے۔

اس حقیقت کا اگر تجزیہ کیا جائے کہ عراق عجم اور عراق عرب کے بیشتر ممالک کی طرح برصغیر میں عربی زبان اس طرح رائج کیوں نہ ہو سکی۔ جس طرح وہاں رائج ہوئی' تو معلوم ہو گا کہ برصغیر باستثنائے سندھ و بلوچستان عربوں کے براہ راست زیر نگیں نہیں آیا۔ سندھ و بلوچستان اور پنجاب کے سرحدی علاقے بھی محدود سی مدت کے لئے عربوں کے تسلط میں رہے اور بعد ازاں ان پر پھر ہندوستانی حکمران قابض ہو گئے۔اس سلسلے میں ہندوستان اور ترکیا مشابہت رکھتے ہیں۔ ترکی میں بھی کبھی عرب اقوام کا تسلط نہیں ہوا۔ نتیجہ" ہندوستان و ترکی دونوں ممالک میں عربی سرکاری زبان کے طور پر رائج نہ ہو سکی۔ ہندوستان میں ویسے بھی مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام کے مقابلہ میں کم تھی۔ بنا بریں عربی زبان کا دیگر زبان پر چھا جانا ممکن نہ تھا۔

برصغیر ہند و پاکستان' ایران کے راستے اسلام سے آشنا ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب عرب تمدن اپنے نصف النہار سے گزر کر رو بہ زوال ہو چکا تھا۔ ایران میں منصہ شہود پر آنے والی سلطنتیں عربی کے ساتھ ساتھ اپنی محلی زبان فارسی کی ترقی میں پوری پوری دلچسپی لے رہی تھیں۔ ہندوستان میں قائم ہونے والی مسلمان سلطنتوں نے بھی فارسی زبان کی ترویج و اشاعت کی طرف پوری توجہ دی۔ بلکہ اس زبان کو سرکاری زبان قرار دیا۔ چنانچہ ایرانی اثرات کی بنا پر ہندوستان میں فارسی کو عربی پر برتری حاصل ہو گئی۔ مزید براں جغرافیائی محل وقوع اور بعد مکانی کی بنا پر ہندوستانی مسلمانوں کے تجارتی' اقتصادی اور علمی روابط عرب دنیا کے علمی مراکز کے ساتھ اس حد تک استوار نہ ہو سکے جتنے فارس' ماوراء النہر اور شمالی افریقہ کے ممالک کے ساتھ ہو گئے تھے۔

ان تمام حقائق کے باوجود ہندوستانی علماء عربی زبان سے بالکل تہی دامن نہ تھے۔ انہوں نے عربی زبان کی دینی' علمی اور ثقافتی اہمیت کے پیش نظر اس میں مہارت پیدا کرنے کی پوری پوری کوشش کی اور غزنوی عہد سے لے کر مغلوں کے دور تک یہاں کے جید علماء نے عربی زبان میں اپنی جودت طبع کے درخشاں نمونے یادگار چھوڑے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر زبیر احمد نے اپنی مشہور کتاب (The Contribution of India to Arabic Literatur" میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ اس کتاب کے سرسری مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستانی اہل دانش نے اگرچہ عام طور سے فارسی زبان کو ذریعہ اظہار کے طور پر استعمال کیا لیکن عربی زبان میں بھی اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ چنانچہ ڈاکٹر زبیر احمد نے قرآن' حدیث' فقہ' تصوف' فلسفہ' علم الکلام' حساب' تاریخ صرف و نحو اور عروض وغیرہ پر برصغیر میں لکھی جانے والی کتب کی ایک مفصل فہرست اپنی کتاب میں شامل کی ہے۔

ان ادوار میں اس خطے میں ایسے ایسے عظیم علماء پیدا ہوئے جن کی تصنیفات کو عرب ممالک میں بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور اپنے اپنے موضوعات پر انہیں سند سمجھا گیا۔ بطور مثال قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری' محب اللہ الہ آبادیؒ ترجمہ الکتاب' ابو الفیض فیضؒ سواطع الالہام' ملا عبدالحکیم سیالکوٹی جن کا تفسیر بیضاوی پر حاشیہ اپنی نظیر نہیں رکھتا' شاہ ولی اللہ دھلویؒ جنہوں نے کئی عظیم عربی تصانیف یادگار چھوڑیں' عبدالحق محدث دھلویؒ' علی متقی برہانپوری صاحب کنز العمال' رضی الدین حسن الصغانیؒ صاحب مجمع البحرین' مرتضیٰ زبیدی تاج العروس اور مجد الدین فیروز آبادیؒ قاموس اس طویل فہرست کے قابل قدر اور معروف نام ہیں۔

ان ناموں سے یہ بات یقیناً پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ برصغیر میں عربی زبان کی تعلیم و تدریس اور اس میں معراج و کمال حاصل کرنے کے ذوق و شوق کا سلسلہ مدتوں سے یہاں موجود رہا ہے۔ ہندوستان نے ایسے ایسے جید علماء پیدا کئے جن کے سامنے عرب دنیا کے عظیم علماء نے بھی زانوئے تلمذ نہ کیا۔ امام شوکانی نی اپنی کتاب البدر الطالع میں ایک ہندوستانی فاضل شیخ صفی الدین الھندیؒ کا تذکرہ کیا ہے جو امام ابن تیمیہؒ کے ہم عمر تھے اور جنہوں نے دمشق میں ابن تیمیہؒ جیسے فاضل روزگار شخص سے علمی مسائل پر مناظرہ کیا۔ ابن تیمیہؒ ایسے فاضل نے شیخ موصوف سے مناظرے میں دقت محسوس کی اور جم کر گفتگو کرنے سے گریز کیا۔ اس پر شیخ موصوف نے کہا **انت کمثل العصفور تزط من ھنا الی ھنا**" اگر ہندوستان میں شیخ صفی الدینؒ ایسے علماء پیدا ہو سکتے ہیں تو پھر یہ کہنا کہ پاکستانی مسلمانوں کے لئے عربی زبان پر عبور حاصل کرنا ممکن نہیں کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

برصغیر میں مسلمانوں کے دور عروج میں مغلوں کے آخری دور تک عربی زبان و ادب کی تدریس کی روایت اس طرح رواں دواں رہی اور ہندوستانی علماء بیرون ملک اپنی علمی قابلیت کا لوہا منواتے رہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب "ہندوستانی مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" میں اس نظام تدریس کا مفصل تذکرہ کیا ہے جس کی بنیاد پر یہاں ایسے جید عربی دان پیدا ہوتے رہے۔ مسلمانوں کے زوال کے ساتھ ساتھ ان کے نظام تدریس میں بھی خرابیاں پیدا ہونا شروع ہو گئیں۔ ۱۸۵۷ء سے جہاد آزادی کے بعد جب انگریزوں نے ملک کے نظم و نسق کی باگ دور سنبھالی تو انہوں نے ہندوستان میں یونیورسٹی کا نظام تدریس رائج کیا اور ملک کے مختلف گوشوں میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ ان یونیورسٹیوں میں جدید علوم و مضامین کے ساتھ ساتھ قدیم علوم اور زبانوں کی تدریس کا انتظام بھی کیا گیا اور ان یونیورسٹیوں میں عربی' فارسی اور سنسکرت کے شعبے کھولے گئے۔ ان ہندوستانی یونیورسٹیوں میں انگریزوں نے عربی' فارسی اور سنسکرت کی تدریس کا نظام انگلستان کی کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیوں کے کلاسیک کے شعبوں کے نظام پر مرتب کیا۔ کلاسیک یعنی یونانی اور عبرانی مردہ زبانیں تھیں' ان کے بولنے والے دنیا کے کسی خطہ میں موجود نہیں تھے' ان کی تدریس کے لئے ترجمہ کا طریقہ اختیار کیا گیا اور زبان دانی کا معیار زبان مذکورہ سے انگریزی اور انگریزی سے زبان مذکورہ میں ترجمہ کو قرار دیا۔ زبان بولنے اور لکھنے کی تربیت کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔

عربی اور فارسی کی تدریس کے سلسلے میں اس حقیقت کو جان بوجھ کر بھلا دیا گیا کہ عربی اور فارسی مردہ زبانیں نہیں بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد یہ زبانیں لکھتی بولتی اور پڑھتی ہے اور ان زبانوں کی تدریس کا مقصد صرف ترجمہ کرنے کی صلاحیت کا حصول نہیں ہو سکتا۔ انگریز شاید سیاسی وجوہ کی بنا پر اس بات کو پسند بھی نہ کرتے تھے کہ ہندوستان میں ایسے عربی دان پیدا ہوں جو عربوں کے ساتھ عربی زبان میں گفتگو کر سکیں۔ یونیورسٹیوں میں ترجمین کے نظام کے رائج ہونے کا اثر دینی مدارس کے نظام تعلیم و تدریس پر بھی پڑا اور وہ عظیم درس گاہیں جہاں سے عظیم عربی دان علماء پیدا ہوئے تھے اب ایسے طلباء کا مرکز بن گئیں جو قرآن و حدیث اور اپنی کتب کی تعبیر دیگر عملی زبانوں میں تو کر سکتے تھے لیکن عربی لکھنے اور بولنے پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان علماء کا رابطہ عرب دنیا سے منقطع ہو گیا۔ چنانچہ اس انگریزی دور اقتدار میں معدودے چند علماء کا تعارف ہی عرب دنیا میں ہو سکا۔

حصول آزادی کے وقت ہماری یونیورسٹیوں اور اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں عربی کی تدریس کا یہی نظام رائج

تھا۔ ان زبانوں کی تدریس کے سلسلے میں تمام زور ترجمہ کرنے کی صلاحیت کے حصول پر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ طلبہ میں عربی بولنے اور لکھنے کی استعداد پیدا نہ ہو سکی لیکن ان بنیادی وجوہات کی بناء پر یہ حکم لگانا کہ پاکستانی طلبہ سرے سے عربی بولنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے یا ان میں عربی بولنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ حقیقت کے بالکل برعکس ہو گا۔

اگر ہم عربی زبان کے ایسے ماہر علماء پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اس زبان کو اعتماد کے ساتھ لکھ' بول اور پڑھ سکتے ہوں تو پھر ہمیں عربی زبان کے نظام تدریس کو جدید سائنسی بنیادوں پر استوار کرنا ہو گا۔ اس سلسلے میں چند تجاویز مندرج ہیں۔

۱۔ عربی زبان کو فوراً میٹرک تک لازمی مضمون کی حیثیت دے دی جائے اور تدریس کے لئے اساتذہ کے لئے ریفریشر کورسوں کا اہتمام کیا۔ یہ سلسلہ اوپن یونیورسٹی نے شروع کیا تھا لیکن نہ معلوم یہ کیوں جاری نہ رہ سکا۔ جب تک اساتذہ میں عربی بولنے کی قابلیت نہیں ہو گی' طلبہ بولنا نہیں سیکھ سکیں گے۔ ممکن ہے اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس طرح طلبہ پر مزید ایک لازمی مضمون کا بوجھ پڑ جائے گا تو اس کا حل یہ ہے کہ اسلامیات کا مضمون عربی کے ذریعے پڑھایا جائے۔ اس طرح نہ صرف عربی زبان کا مسئلہ حل ہو جائے گا بلکہ اسلامیات کے مضمون کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

۲۔ عربی زبان کی تدریس کا ذریعہ عربی ہونا چاہئے۔ اگر انگریزی کی تدریس انگریزی میں کی جاتی ہے اور اردو کی تدریس اردو میں ہوتی ہے تو پھر عربی تدریس عربی میں کرنے کے راستے میں کیا رکاوٹ ہے۔ یہاں تو ایم۔ اے کی سطح تک عربی کی تدریس اردو زبان میں کی جاتی ہے۔ جب اساتذہ عربی زبان میں تدریس کریں گے تو طلبہ میں عربی دانی کا ایک ملکہ اور عمدہ ذوق پیدا ہو جائے گا اور انہیں عربی لب و لہجہ اختیار کرنے میں سہولت ہو گی۔

۳۔ ہماری یونیورسٹیوں کے نصاب بہت پرانے اور فرسودہ ہو چکے ہیں انہیں جدید خطوط پر استوار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ ہم قدیم زبان کو بالکل چھوڑ نہیں سکتے لیکن ہمارے نصابات میں زبان کے ارتقاء کے مختلف مراحل کی نمائندگی اور خصوصاً ان میں جدید زبان کی شمولیت بہت ضروری ہے۔

۴۔ عربی زبان بولنے کی مشق کے لئے عرب ممالک سے اساتذہ حاصل کئے جائیں تاکہ طلبہ ان کے ساتھ ملیں جلیں اور عربی کا صحیح ذوق اپنے اندر پیدا کریں۔

۵۔ عربی کی تدریس کے لئے جدید سمعی و بصری آلات کے حصول کی طرف خاص توجہ دی جائے اور عرب ممالک سے تقاریر اور اسباق کے کیسٹ حاصل کئے جائیں۔ نیز یونیورسٹی میں ایک لینگویج لیب قائم کی جائے۔

۶۔ عربی کے اساتذہ کے لئے عرب ممالک میں دوروں کا انتظام کیا جائے تاکہ وہ جدید زبان اور محاوروں سے آشنا ہو سکیں۔

۷۔ اساتذہ کے تبادلے کے پروگرام مرتب کئے جائیں اور پاکستانی استاد ہر دو سال بعد چند ماہ عرب ممالک میں گزاریں۔

۸۔ طلبہ کو موسم گرما کی تعطیلات میں تبادلے کے پروگرام کے تحت عرب ممالک میں قیام کی سہولت مہیا کی

جائے۔

۹۔ ہر جامعہ میں شعبہ عربی کی نگرانی میں ایک عربی مجلے کا اجراء کیا جائے جس میں طلبہ اپنے مضامین طبع کرا سکیں اور ان میں مسابقت کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

۱۰۔ گرائمر کا قدیم طریق تدریس فوراً تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف و نحو کی تدریس کا نیا طریقہ سہل اور عام فہم ہے۔ جس سے عربی زبان کے مشکل ہونے کا احساس طلبہ میں پیدا نہیں ہو گا اور وہ شوق سے اسے حاصل کریں گے۔

۱۱۔ انسان کے لئے روزگار کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ عربی پڑھنے والے طلبہ کے لئے روزگار کے خصوصی مواقع مہیا کئے جائیں۔ اس کے بغیر کسی بھی تجویز کا کامیاب ہونا ممکن نہیں ہوتا۔

۱۲۔ میٹرک تک کے طلبہ کو اپنے نصاب کی کتابوں کے علاوہ عربی کہانیوں کی کتابیں مہیا کی جائیں جو عربی کے اساتذہ کے پاس موجود ہوں' طلبہ ان سے لے کر پڑھیں اور پھر اساتذہ ان سے ان کتابوں کے متعلق سوال و جواب کریں۔

۱۳۔ میٹرک کی سطح پر جماعت میں محادثہ کا بھی انتظام کیا جائے۔

۱۴۔ ایف۔ اے اور بی۔ اے کی سطح پر جو طالبعلم عربی زبان و ادب کا مضمون پڑھیں ان کی طرف خاص توجہ دی جائے اور ان میں عربیت کا صحیح ذوق پیدا کیا جائے۔

۱۵۔ ایک پرچہ مقالہ نویسی' غلط فقرات کو درست کرنا' محاورات کا صحیح و بجا استعمال اور نوٹ لکھنے پر مشتمل ہونا چاہئے۔

ان تجاویز پر عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس طرح عربی نصابات مزید مشکل بن جائیں گے اور عربی پڑھنے والے طلبہ کی تعداد کم ہو جائے گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عربی دانی کا صحیح ذوق پیدا کرنے کے لئے ایسا ضروری ہے۔ اگر دو ایسے طالب علموں کی تربیت کی جا سکے جن میں عربی دانی اور عربی فہمی کا صحیح شوق پیدا ہو جائے تو وہ ان دس طلبہ سے بہتر ہیں جو صرف ترجمہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

عربی زبان کی ترویج و اشاعت اور عربی دانی کا صحیح ذوق پیدا کرنے کے سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ عربی کے اساتذہ اپنے مضمون میں پوری پوری دلچسپی لیں اور ان میں اپنے مضمون کے ساتھ مضبوط رشتہ اور لگن پیدا کریں۔ جب تک وہ عربی کی خدمت کے لئے مستعد نہیں ہوں گے' کوئی تجویز بھی کارآمد نہیں ہو سکتی۔

یہ حقیقت ہے کہ عربی کی غیر مقبولیت کے ذمہ دار بہت حد تک ہم خود ہیں۔ جب عربی کے اساتذہ اپنے اسباق تیار کئے بغیر کلاس روم میں جائیں گے' اپنے نصابات کو ٹھیک طرح سمجھے بغیر طلبہ کو پڑھائیں گے تو اس سے عربی کو فائدے کی بجائے نقصان پہنچے گا۔

یہ بھی مدنظر رہے کہ عربی کے فروغ کے جوش میں دوسرے مضامین کی حق تلفی نہ ہو۔ عربی کی جتنی ضرورت جس جس مضمون کو ہے اس کا اعتراف کیا جائے۔ مثلاً اردو' فارسی' تاریخ' فلسفہ' اسلامیات اور قانون کے مضامین میں جتنی جتنی عربی دانی ضروری ہے' اس تناسب سے اس کو نصابات کا جزو بنایا جائے۔ اردو کے لئے عربی دانی ایک محکم بنیاد بن چکی ہے۔ مختلف مضامین کے سلسلے میں اچھی عربی دانی کی اہمیت یوں بھی واضح ہے کہ ذریعہ تعلیم کی تبدیلی کے بعد نہ صرف یہ کہ ہمیں اپنی پہلی علمی روایت کو جس کی اساس عربی ادب اور علوم پر قائم تھی زندہ

کرنا ہو گا بلکہ ایک نئی علمی زبان بنانی ہو گی۔ جس کے لئے سب سے زیادہ عربی اور پھر فارسی سے مدد لینی ہو گی۔
پاکستانی مسلمان برصغیر کے ان علماء کی علمی میراث کے وارث ہیں جنہوں نے تفسیر، حدیث فقہ، تاریخ، نحو اور ادب میں ایسی نادر الوجود کتابیں تالیف کی ہیں جن کی مثال عرب ممالک میں بھی نہیں ملتی۔ اگر ان پیش کردہ تجاویز پر عمل کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان میں ایسے عربی دان فاضل پیدا نہ ہوں جن کی فضیلت پر فخر کیا جا سکے۔ اگر ماضی میں ایسا ممکن تھا تو آج بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

التعاون والعلم والعمل

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال.

«**من** نفّسَ عن مؤمنٍ كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة،

ومن يَسّرَ على معسر يسّر الله عليه في الدنيا والآخرة،

ومن سَتَر مسلماً سترة الله في الدنيا والآخرة، والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه.

ومن سلك طريقاً يلتمس فيه علما سهّل الله له به طريقاً إلى الجنة،

وما اجتمع قوم في بيتٍ من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم الا نزلت عليهم السكينة،

وغشيتهم الرحمة، وحفتهم الملائكة، وذكرهم الله فيمن عنده،

ومن بطأ به عمله لم يسرع به نسبه»